ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

اللہ تعالیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان مکالمہ: مفسرین کے مناہج کا تجزیاتی مطالعہ

Dialogue between Allah Almighty and prophet Ibraheem (peace be upon him): An Analytical Study of the methodology of the Commentators.

☆محمد آصف

لیکچرر، گورنمنٹ گریجویٹ کالج، بہاولنگر، پاکستان۔

☆☆ڈاکٹر جواد محمود خاکوانی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات۔ گورنمنٹ گریجویٹ کالج بہاولنگر

Abstract

Quran is the last book of Allah and the source of universal guidance. It contains all the instructions for mankind to succeed in life.There are about 26 prophets mentioned in the Holy Quran. Allah Ta'ala spoke to some of these Prophets according to the requirements of the time.Allah Ta'ala has mentioned that discussion in the same wording or a part of it in the form of revelation in the Holy Qur'an.It contains lessons for mankind leading up to the Day of Resurrection.The commentators have derived many lessons from these dialogues between Allah and the Prophets according to their wisdom.By taking guidance from them, a person can achieve success in this world and the hereafter.This is clear from the dialogue between Allah Almighty and Ibraheem (peace be upon him) That Allah Ta'ala accepts the supplications of His servant in the darkest situation from time to time and saves him from the greatest calamity.The condition is that the servant considers Allah Almighty as his savior in every situation and prays to Him.The purpose of this research is to discuss the dialogues between Allah and the Prophets and especially learn a lesson from the dialogue between Prophet Ibraheem (peace be upon him) and Allah.Moreover, in this research the methodology and interpretation,of commentators in this matter will be highlighted.

Keywords: Situation, Learn, Wisdom, Achieve, Condition, Research.

تعارف

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور ایک عالمگیر ہدایت کا سرچشمہ ہے، اس میں بنی نوع انسان کے لیے زندگی کے تمام مراحل میں کامیابی کے لیے واضح ہدایات موجود ہیں۔ قرآن کریم میں تقریباً چھبیس (26) انبیاء کا تذکرہ ہے جن میں سے کچھ انبیاء سے اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے تقاضا کے مطابق جو کلام فرمایا وہ بعینہ یا اس کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن کریم میں وحی کی صورت میں نازل فرما دیا جس میں قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے بہت سے اسباق موجود ہیں۔ مفسرین نے اللہ تعالیٰ اور انبیاء کے درمیان ان مکالمہ جات سے اپنی فراست کے مطابق بہت سے اسباق اخذ کیے ہیں جن سے رہنمائی لے کر انسان اس دنیا میں اور آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور ابراہیم علیہ السلام کے مابین مکالمہ سے ایک تو بیت اللہ، کعبہ کی تاریخ اور حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں اس کی تعمیر جدید کا پتا چلتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کی چند خصوصیات اور بیت اللہ کے احترام سے متعلقہ احکام کا علم ہوتا ہے۔ دوسرے مکالمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ شانہ سے یہ درخواست کی کہ مجھے اس کا مشاہدہ کرا دیجیے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ یہ مشاہدہ کی درخواست اس لیے کی گئی کہ احیاموتیٰ کی مختلف صورتوں اور کیفیتوں میں ذہنی انتشار واقع نہ ہو اور قلب کو سکون واطمینان حاصل ہو جائے۔ تیسرے مکالمہ میں حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کا جو حکم ہوا اسے بیان کیا، یہ حکم براہ راست کسی فرشتے وغیرہ کے ذریعہ بھی نازل کیا جا سکتا تھا، لیکن خواب میں دکھانے کی حکمت بظاہر یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری

اپنے کمال کے ساتھ ظاہر ہو، خواب کے ذریعے دیئے ہوئے حکم میں انسانی نفس کے لیے تاویلات کی بڑی گنجائش تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاویلات کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

اس تحقیق کا مقصد اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام کے درمیان ہونے والے ان مکالمہ جات میں سے، اللہ تعالیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مابین ہونے والے مکالمہ جات کو زیر بحث لا کر ان سے حاصل ہونے والے اسباق کو اجاگر کرنا ہے، مزید یہ کہ ان مکالمہ جات کی تفسیر و تعبیر میں مفسرین کا منہج اور اسلوب کیا ہے اسے واضح کیا جائے گا۔

آیات قرآنیہ

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔[1]

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ایسی جگہ بنایا جس کی طرف وہ لوٹ لوٹ کر جائیں اور جو سراپا امن ہو۔ اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو یہ تاکید کی کہ: "تم دونوں میرے گھر کو ان لوگوں کے لیے پاک کرو جو (یہاں) طواف کریں اور اعتکاف میں بیٹھیں اور رکوع اور سجدہ بجالائیں"

مفسرین کے مناہج

مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس آیت میں بیت اللہ، کعبہ کی تاریخ کی طرف اشارہ ہے اور حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں اس کی تعمیر جدید، نیز بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کی چند خصوصیات کا ذکر اور بیت اللہ کے احترام سے متعلقہ احکام مذکور ہیں، تفسیر ابن کثیر میں آئمہ تفسیر حضرت مجاہدؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام میں مقیم تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام شیر خوار بچے تھے، جس وقت حق تعالیٰ کا ان کو یہ حکم ملا کہ ہم خانہ کعبہ کی جگہ آپ کو بتلاتے ہیں، آپ اس کو پاک صاف کر کے طواف و نماز سے آباد رکھیں، اس حکم کی تعمیل کے لیے جبرائیل امین براق لے کر حاضر ہوئے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اور مع ان کو والدہ حضرت حاجرہؓ کو ساتھ لے کر سفر کیا، راستے میں جب کسی بستی پر نظر پڑتی اور حضرت ابراہیمؑ جبرائیل امین سے دریافت دریافت کرتے کہ کیا ہمیں یہاں اترنے کا حکم ملا ہے، تو حضرت جبرائیل امین فرماتے کہ نہیں آپ کی منزل آگے ہے، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کی جگہ سامنے آئی، جس میں کانٹے دار جھاڑیاں اور ببول کے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا، اس خطہ زمین کے آس پاس کچھ لوگ بستے تھے جن کو عمالین کہا جاتا تھا، بیت اللہ اس وقت ایک ٹیلہ کی شکل میں تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جگہ پہنچ کر جبرائیل امین سے دریافت کیا کہ کیا ہماری منزل یہ ہے تو فرمایا کہ ہاں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مع اپنے صاحبزادے اور حضرت حاجرہؓ کے یہاں اتر گئے، اور بیت اللہ کے پاس ایک معمولی چھپر ڈال کر حضرت اسماعیل اور حضرت حاجرہ علیہا السلام کو یہاں ٹھہرا دیا، ان کے پاس ایک توشہ دان میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزہ میں پانی رکھ دیا، اور ابراہیمؑ کو اس وقت یہاں ٹھہرنے کا حکم نہ تھا وہ اس شیر خوار بچہ اور ان کی والدہ کو حوالہ بخدا کر کے واپس ہونے لگے، جانے کی تیاری دیکھ کر حضرت حاجرہؓ نے عرض کیا کہ ہمیں اس لق و دق میدان میں چھوڑ کر آپ کہاں جاتے ہیں، جس میں نہ کوئی مونس و مددگار ہے نہ زندگی کی ضروریات۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا اور چلنے لگے، حضرت حاجرہ ساتھ اٹھیں، پھر بار بار یہی سوال دہرایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف

[1]۔ البقرۃ125:2

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

سے کوئی جواب نہ تھا، یہاں تک کہ خود ان کے دل میں بات پڑی، اور عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں چھوڑ کر جانے کا حکم دیا ہے تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالی کی طرف سے یہ حکم ملا ہے۔ اس کو سن کر حضرت حاجرہؓ نے فرمایا کہ پھر آپ شوق سے جائیں جس نے آپ کو یہ حکم دیا ہے وہ ہمیں بھی ضائع نہیں کرے گا"۔[2] مزید فرماتے ہیں:" کہ اس میں بیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم ہے جس میں ظاہری نجاسات اور گندگی سے طہارت بھی داخل ہے، اور باطنی نجاسات کفر وشرک اور اخلاق رذیلہ بغض، حسد، حرص وہوا، تکبر وغرور، ریا ونمود سے پاکی بھی شامل ہے"۔(لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ۔) آیت کے ان کلمات سے چند احکام وفوائد حاصل ہوئے، اول یہ کہ بناء بیت اللہ کا مقصد طواف، اعتکاف اور نماز ہے، دوسرے یہ کہ طواف نماز سے مقدم ہے، تیسرے یہ کہ اطراف عالم سے جانے والے حجاج کے لیے طواف بہ نسبت نماز کے افضل ہے، چوتھے یہ کہ بیت اللہ کے اندر نماز علی الاطلاق جائز ہے فرض ہو یا نفل"۔[3]

علامہ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "پاک رکھنے سے مراد صرف یہی نہیں کہ کوڑے کرکٹ سے اسے پاک رکھا جائے۔ خدا کے گھر کی اصل پاکی یہ ہے کہ اس میں خدا کے سوا کسی کا نام بلند نہ ہو۔ جس نے خانہ خدا میں خدا کے سوا کسی دوسرے کو مالک، معبود، حاجت روا اور فریاد رس کی حیثیت سے پکارا، اس نے حقیقت میں اسے گندا کر دیا۔ یہ آیت ایک لطیف طریقے سے مشرکین قریش کے جرم کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ ظالم لوگ ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے وارث ہونے پر فخر تو کرتے ہیں مگر وراثت کا حق ادا کرنے کے بجائے الٹا اس حق کو پامال کر رہے ہیں۔ لہٰذا جو وعدہ ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا اس سے جس طرح بنی اسرائیل مستثنیٰ ہو گئے ہیں، اسی طرح یہ مشرک بنی اسماعیل بھی اس سے مستثنیٰ ہیں"۔[4]

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"(وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ)عہد جب الیٰ کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی پر کوئی ذمہ داری ڈالنے یا اس کو کسی شرط کا پابند کرنے کے آتے ہیں مثلا (وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا)5 اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک شرط کا پابند کیا تو وہ بھول بیٹھا، اور ہم نے اس میں ارادہ کی مضبوطی نہیں پائی۔ اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے

(أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ)[6]

کیا ہم نے تم کو اس شرط کا پابند نہیں کیا تھا، اے آدم کے بیٹو، کہ تم شیطان کی بندگی نہ کروگے۔

پس عَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ "کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خانہ کعبہ کی تولیت کی ذمہ داری ڈالی اور ان کو اس شرط کا پابند کیا کہ وہ اس گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھیں، پاک صاف رکھنے سے مقصد ظاہر ہے کہ ان ساری چیزوں

---

[2]۔ عثمانی، محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 2008ء، ج1، ص:317،318

[3]۔ ایضا، ج1، ص:324

[4]۔ مودودی، ابوالاعلی، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، سن اشاعت 1982ء، ج1، ص:111

[5]۔ طٰہٰ20:115

[6]۔ یس 36:60

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

سے پاک صاف رکھنا ہے جو اس گھر کے مقصد تعمیر کے منافی ہوں، عام اس سے کہ وہ گندگی اور نجاست ہو جس سے عبادت گزاروں کی طبیعت میں تکدر پیدا ہو، یا ارباب لہو ولعب کے ہنگامے ہوں، جن سے ان کی یکسوئی میں خلل واقع ہو یا اصنام و اوثان ہوں جو خدا کے گھر کو شرک وبت پرستی کا گڑھ بنا کر رکھ دیں۔ ان ساری چیزوں سے اس گھر کو پاک رکھنے کی حضرت ابرہیم و اسماعیل علیہا السلام پر ذمہ داری ڈالی گئی تھی، اور تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اس ذمہ داری کا حق ادا کیا لیکن بعد میں ان کی اولاد جب شرک وبت پرستی میں مبتلا ہو گئی تو اس نے اس گھر کی تولیت کی اس شرط کے برعکس اس کے کونے کونے میں بتوں کو لا بٹھایا اور ان لوگوں کو اس گھر سے نہایت ظلم اور بے دردی سے نکالا جو اس کو از سر نو ذکر الٰہی کے زمزموں، طواف و اعتکاف کی رونقوں اور رکوع و سجود کی جبہ سائیوں سے آباد و معمور کرنا چاہتے تھے۔ قرآن نے یہاں خانہ کعبہ کی ابتدائی تاریخ کی اس حقیقت کی طرف اسی لیے اشارہ فرمایا ہے کہ قریش اس گھر سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں لیکن جب انہوں نے ان کو سمجھنے سے انکار کر دیا تو بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس کی تولیت کے منصب سے ان کی معزولی کا اعلان کر دیا

" مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ 0 إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ "[7]

(مشرکین کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے منتظم بنیں رہیں، درآنحالیکہ وہ خود اپنے کفر پر گواہ ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے تمام اعمال اکارت گئے اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے یہی ہیں۔ اللہ کی مسجدوں کے منتظم تو وہی ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائیں۔ نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں)۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

" یہاں اس گھر کو تین چیزوں کے لیے خاص کرنے کا حکم ہوا ہے، طواف، اعتکاف اور رکوع و سجود۔ طواف سے مراد خانہ کعبہ کے ارد گرد پھیرے لگانا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت نے اس کا وہ طریقہ واضح فرمایا ہے جو اس کا اصل ابراہیمی طریقہ ہے۔ طواف درحقیقت نماز کی ایک قسم ہے لیکن یہ نماز صرف خانہ کعبہ ہی کے پاس ادا ہو سکتی ہے اس کے سوا کہیں اور ادا نہیں ہو سکتی۔ اس کی اس خصوصیت کی وجہ سے اس کا ذکر سب سے پہلے فرمایا۔ وقار و ادب کے حدود میں رہتے ہوئے محبت الٰہی کے جذبات جس حد تک جس حد تک اس نماز میں ابھرتے ہیں بس اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ شمع و پروانہ کی حکایت طواف میں ایک حقیقت بن جاتی ہے بشرطیکہ آدمی کے اندر حیات ایمانی کی رمق ہو۔ عاکف، الکوف سے ہے جس کی اصل روح دوسری چیزوں سے صرف نظر کر کے کسی خاص چیز کو پکڑ لینا ہے۔ اسی سے اعتکاف ہے جو دھیان گیان اور ذکر و فکر کی عبادت ہے۔ بندہ ہر چیز سے کٹ کر اپنے رب کی یاد کے لیے گوشہ نشین ہو جائے، یہ اعتکاف ہے۔ اس کی صحیح شکل نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت سے واضح فرمادی۔ جس طرح طواف محبت الٰہی کے جذبات ابھارنے کے لیے اپنے اندر ایک خاص صفت رکھتا ہے اسی طرح اعتکاف ذکر الٰہی پر عقل اور دل کو جمانے کے لیے اپنے اندر ایک خاص صفت رکھتا ہے۔ رکوع، راکع اور سجود، ساجد کی جمع ہے۔ یہاں یہ دونوں لفظ نماز کی تعبیر کے لیے وارد ہوئے ہیں۔ نماز کی تعبیر رکوع اور سجود سے دو اہم حقیقتوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ دونوں چیزیں نماز کے قدیم ترین ارکان میں سے ہیں۔ نماز کی ظاہری ہیئت میں جو تبدیلیاں بھی واقع ہوئی ہوں لیکن یہ دونوں چیزیں جس طرح ہماری نمازوں میں شامل ہیں اسی طرح

---

[7] ۔ التوبۃ9:18،17

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

ابراہیمی نماز میں بھی شامل تھیں۔ دوسری یہ کہ نماز سے صرف ذکر و فکر ہی مطلوب نہیں ہے بلکہ اس کی مخصوص صورت وہیئت بھی مطلوب ہے اور اس کی صورت وہیئت کا اصل جمال اس کے رکوع و سجود میں ہے"۔[8]

آیات قرآنیہ

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔[9]

اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دکھایئے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ کیا تمہیں یقین نہیں؟ کہنے لگے: یقین کیوں نہ ہوتا؟ مگر (یہ خواہش اس لیے کی ہے) تاکہ میرے دل کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے۔ اللہ نے کہا: "اچھا تو چار پرندے لو، اور انہیں اپنے سے مانوس کرلو، پھر (ان کو ذبح کرکے) ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ، وہ چاروں تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ اور جان رکھو اللہ پوری طرح صاحب اقتدار بھی ہے، اعلیٰ درجے کی حکمت والا بھی"۔

مفسرین کے مناہج

مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ شانہ سے یہ درخواست کی کہ مجھے اس کا مشاہدہ کرا دیجیے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس درخواست کی کیا وجہ ہے؟ کیا آپ کو ہماری قدرت کاملہ پر یقین نہیں کہ وہ ہر چیز پر حاوی ہے، ابراہیم علیہ السلام نے اپنا واقعی حال عرض کیا کہ یقین تو کیسے نہ ہوتا، کیونکہ آپ کی قدرت کاملہ کے مظاہر ہر لحظہ وہر آن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں، اور غور وفکر کرنے والے کے لیے خود اس کی ذات میں اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، لیکن انسانی فطرت ہے کہ جس کام کا مشاہدہ نہ ہو خواہ وہ کتنا ہی یقینی ہو اس میں اس کے خیالات منتشر رہتے ہیں، کہ یہ کیسے اور کس طرح ہوگا؟ یہ ذہنی انتشار سکون قلب واطمینان میں خلل انداز ہوتا ہے، اس لیے یہ مشاہدہ کی درخواست کی گئی کہ احیاموتیٰ کی مختلف صورتوں اور کیفیتوں میں ذہنی انتشار واقع نہ ہو کر قلب کو سکون اطمینان حاصل ہو جائے۔

حق تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول فرما کر ان کے مشاہدہ کی بھی ایک عجیب صورت تجویز فرمائی جس میں منکرین کے تمام شبہات خدشات کے ازالہ کا بھی مشاہدہ ہو جائے، وہ صورت یہ تھی کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ چار پرندے جانور اپنے پاس جمع کرلیں، پھر ان کو پاس رکھ کر سدھالیں کہ وہ ایسے ہو جائیں کہ آپ کے بلانے سے آجایا کریں، اور ان کی پوری طرح شناخت بھی ہو جائے، یہ شبہ نہ رہے کہ شاید کوئی دوسرا پرندہ آگیا ہو، پھر ان چاروں کو ذبح کرکے اور ہڈیوں اور پروں سمیت ان کا خوب قیمہ سا کرکے اس کے کئی حصے کردیں، اور پھر اپنی تجویز سے مختلف پہاڑوں پر اس قیمہ کا ایک ایک حصہ رکھ دیں، پھر ان کو بلائیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے زندہ ہو کر دوڑے دوڑے آپ کے پاس آجائیں گے۔

---

[8]۔ اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن، لاہور، فاران فاونڈیشن، ج3، ص:332،333

[9]۔ البقرۃ2:260

حرف و سخن HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

قرآن کریم کے الفاظ میں " يَأْتِينَكَ سَعْيًا " آیا ہے، کہ یہ پرندے دوڑتے ہوئے آئیں گے، جس سے معلوم ہوا کہ اڑ کر نہیں آئیں گے، کیونکہ آسمان میں اڑ کر آنے میں نظروں سے او جھل ہو کر بدل جانے کا شبہ ہو سکتا ہے، زمین پر چل کر آنے میں یہ بالکل سامنے رہیں گے، اس واقعہ میں حق تعالیٰ نے قیامت کے بعد حیات بعد الموت کا ایسا نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھلا دیا جس سے مشرکین و منکرین کے سارے شبہات کا ازالہ مشاہدہ سے کرا دیا۔

حیات بعد الموت اور عالم آخرت کی زندگی پر سب سے بڑا اشکال منکرین کو یہی ہوتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے، پھر یہ مٹی کہیں ہوا کے ساتھ اڑ جاتی ہے، کہیں پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے، کہیں درختوں اور کھیتوں کی صورت میں بر آمد ہوتی ہے، پھر اس کا ذرہ ذرہ دنیا کے اطراف بعیدہ میں پھیل جاتا ہے ان منتشر ذروں اور اجزاء انسانی کو جمع کر دینا اور پھر ان میں روح ڈال دینا سطحی نظر والے انسان کی اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ سب کو اپنی قدرت وحیثیت پر قیاس کرتا ہے وہ اپنے سے مافوق اور ناقابل قیاس قدرت میں غور نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ ذرا سا اپنے ہی وجود میں غور کر لے تو اسے نظر آجائے کہ آج بھی اس کا وجود ساری دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء وذرات کا مجموعہ ہے، انسان کی آفرینش جن ماں اور باپ کے ذریعے ہوتی ہے، اور جن غذاؤں سے ان کا خون اور جسم بنتا ہے وہ خود جہاں کے مختلف گوشوں سے سمٹے ہوئے ذرات ہوتے ہیں، پھر پیدائش کے بعد انسان جس غذا کے ذریعے نشو نما پاتا ہے، جس سے اس کا خون اور گوشت پوست بنتا ہے، اس میں غور کرے تو اس کی غذاؤں میں ایک ایک چیز ایسی ہے جو تمام دنیا کے مختلف ذرات سے بنی ہوئی ہے، دودھ پیتا ہے تو وہ کسی گائے بھینس یا بکری کے اجزاء ہیں، اور ان جانوروں میں یہ اجزاء اس گھاس دانے سے پیدا ہوئے جو انہوں نے کھائے ہیں، یہ گھاس دانے معلوم نہیں کس کس خطہ زمین سے آئے ہیں، اور ساری دنیا میں پھرنے والی ہواؤں نے کہاں کہاں کے ذرات کو ان کی تربیت میں شامل کر دیا، اسی طرح دنیا کا دانہ دانہ اور پھل اور ترکاریاں اور انسان کی تمام غذائیں اور دوائیں جو اس کے بدن کا جزو بنتی ہیں وہ کس کس گوشہ عالم سے کس کس طرح حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور نظام محکم نے انسان کے بدن میں جمع فرما دیئے، اگر غافل اور کوتاہ نظر انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنے ہی تن بدن کی تحقیق کرنے بیٹھ جائے تو اس کو یہ نظر آجائے کہ اس کا وجود ایسے بے شمار اجزاء سے مرکب ہے، جو کوئی مشرق کا ہے کوئی مغرب کا، کوئی جنوبی دنیا کا کوئی شمالی حصہ کا۔ آج بھی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اجزاء قدرت کے نظام محکم نے اس کے بدن میں جمع فرما دیئے ہیں، اور مرنے کے بعد یہ اجزاء پھر اسی طرح منتشر ہو جائیں گے، تو اب دوسری مرتبہ پھر ان کا جمع فرما دینا اس کی قدرت کے کاملہ کے لیے کیا دشوار ہے جس نے پہلی مرتبہ اس کے وجود میں ان منتشر ذرات کو جمع فرما دیا تھا"۔[10]

علامہ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> " عام اہل ایمان کو اس زندگی میں جو خدمت انجام دینی ہے، اس کے لیے تو محض ایمان بالغیب کافی ہے۔ لیکن انبیاء کو جو خدمت اللہ نے سپرد کی تھی، اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ حقیقتیں دیکھ لیتے جن پر ایمان لانے کی دعوت انہیں دنیا کو دینی تھی۔ ان کو دنیا سے پورے زور کے ساتھ یہ کہنا تھا کہ تم لوگ تو قیاسات دوڑاتے ہو، مگر ہم آنکھوں دیکھی بات کہہ رہے ہیں۔ تمہارے پاس گمان ہے اور ہمارے پاس علم ہے۔ تم اندھے ہو اور ہم بینا ہیں۔ اسی لیے انبیاء کے سامنے فرشتے عیاناً آئے ہیں، ان کو آسمان وزمین کے نظام حکومت (ملکوت) کا مشاہدہ کرایا گیا ہے۔ ان کو جنت

---

[10] ۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج1، ص:622 تا 624

وجہنم آنکھوں سے دکھائی گئی ہے، اور بعث بعد الموت کا ان کے سامنے مظاہرہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ ایمان بالغیب کی منزل سے یہ حضرات منصب نبوت پر مامور ہونے سے پہلے گزر چکے تھے۔ نبی ہونے کے بعد ان کو ایمان بالشہادت کی نعمت دی جاتی ہے اور یہ نعمت انہیں کے ساتھ مخصوص ہے"۔[11]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اطمینان کے معنی ہیں کسی چیز کا اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک ٹھیک اس طرح ٹک جانا کہ اس کے ادھر یا ادھر جھکنے یا لڑھکنے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔ برتن اگر اپنی جگہ پر ٹھیک جم کر بیٹھ گیا ہے تو کہیں گے (اطمان) اگر چراغ کی لو بالکل سیدھی ہے، اس میں ہوا کے سبب سے کسی طرف جھکاو نہیں ہے تو اس کے لیے بھی یہی لفظ لائیں گے۔ یہیں سے یہ لفظ نفس یا دل کی حالت کی تعبیر کے لیے استعمال ہونے لگا۔ جو نفس اپنے عقائد و اعمال میں بالکل پا بر جا رہے، حالات کے تغیر و تبدل سے اس کے اطمینان اور اس کی دلجمعی میں کوئی فرق واقع نہ ہو، اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں، یہ اطمینان ایمان کے اعلیٰ مدارج میں سے ہے۔ قرآن مجید میں اس کو شرح صدر کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا "الم نشرح لک صدرک" (کیا ہم نے تمہارے سینے کو کھول نہیں دیا؟) سلوک باطن کے مدارج و مقامات درجہ بدرجہ طے ہوتے ہیں، اس وجہ سے سیر باطن کے ایک دور میں حضرات انبیاء بھی اس مقام کے طالب ہوتے ہیں حالانکہ جہاں تک ایمان کا تعلق ہے وہ اس سے روز اول سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ یہ طلب ایمان کے منافی نہیں بلکہ یہ اس کی تکمیل ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے سلوک باطن کے ایک دور میں (یہ دور ان کی زندگی کا ابتدائی دور ہی ہو سکتا ہے) اس بات کی خواہش کی کہ ان کو مشاہدہ کرا دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ حشر کے وقت مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ یہ خواہش اسی طرح کی ایک خواہش ہے جس طرح کی خواہش حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے پیدا ہوئی۔ اس خواہش کی وجہ یہ نہیں تھی کہ نعوذ باللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قیامت کا اعتقاد نہیں تھا، اعتقاد تو تھا، لیکن ایک حقیقت عقل کے نزدیک کتنی ہی واضح اور مدلل کیوں نہ ہو، جب تک وہ نادیدہ ہوتی ہے اس وقت تک اس کو ماننے کے باوجود انسان اس کے باب میں شرح صدر کا آرزو مند ہی رہتا ہے۔ یہ آرزو انبیاء کی شان کے خلاف نہیں ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کو بھی قرآن کریم میں یہ دعا سکھائی گئی ہے "وقل رب زدنی علما" (دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب میرے علم کو بڑھا) یہ تشنگی تو اسی وقت دور ہو سکے گی جب اسباب کے تمام پردے بیچ سے ہٹا دیئے جائیں گے اور اصل حقیقت بالکل بے نقاب ہو کر سامنے آ جائے گی۔ لیکن یہ چیز اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں حاصل ہو گی۔ البتہ جہاں تک اطمینان قلب اور شرح صدر کا تعلق ہے اس سے وہ اپنے ان بندوں کو محروم نہیں رکھتا جو صدق دل سے اس کے طالب ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس مقصد کے لیے اگر اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے تو وہ اپنے خاص بندوں کو اپنی قدرت کے بعض مخصوص گوشوں کا بھی مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے فضل خاص کی دلیل ہے۔ وہ اپنے اوپر ایمان رکھنے والوں کا مددگار اور ولی ہے، وہ ان کو کبھی حیرانگی و تشنگی میں نہیں چھوڑتا بلکہ ان کو ہمیشہ تاریک سے روشنی اور اضطراب سے اطمینان کی طرف بڑھاتا رہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اضطراب کو دور کرنے کے لیے ان کو یہ ہدایت ہوئی کہ یہ چار پرندے لے کر ان کو پہلے اپنے سے ہلا لو، پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کے گوشت کا ایک ایک حصہ اپنے گرد و پیش کی پہاڑیوں پر رکھ دو، پھر ان کو اپنی طرف بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے

[11]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، تفہیم القرآن، ج 1، ص:202

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

ہوئے آجائیں گے۔ چار پرندوں کی ہدایت اس لیے ہوئی ہو گی کہ چاروں سمتوں سے ان کے مجتمع ہونے کا ان کو مشاہدہ کرایا جائے تاکہ اس بات پر ان کا یقین مستحکم ہو جائے کہ قیامت کے دن اسی طرح نفخ صور پر تمام مخلوق ہر سمت سے اپنے پروردگار کی طرف دوڑے گی۔[12]

آیات قرآنیہ

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ0 فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ 0 وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ 0 قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ 0 إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ 0 وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ0-13

پھر جب وہ لڑکا ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو انہوں نے کہا: "بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں، اب سوچ کر بتاو، تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: "ابا جان! آپ وہی کیجیے جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے، ان شاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے"۔ چنانچہ (وہ عجیب منظر تھا) جب دونوں نے سر جھکا دیا، اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرایا، اور ہم نے انہیں آواز دی کہ: اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یقینا ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا، اور ہم نے ایک عظیم ذبیحہ کا فدیہ دے کر اس بچے کو بچا لیا"۔

مفسرین کے مناہج

مفتی محمد شفیعؒ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین روز متواتر دکھایا گیا۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا، اس لیے اس خواب کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر دو۔ یوں یہ حکم براہ راست کسی فرشتے وغیرہ کے ذریعہ بھی نازل کیا جا سکتا تھا، لیکن خواب میں دکھانے کی حکمت بظاہر یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری اپنے کمال کے ساتھ ظاہر ہو، خواب کے ذریعے دیئے ہوئے حکم میں انسانی نفس کے لیے تاویلات کی بڑی گنجائش تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاویلات کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس کے علاوہ یہاں باری تعالیٰ کا اصل مقصد نہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرانا تھا، نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دینا کہ انہیں ذبح کر ہی ڈالو، بلکہ منشاء یہ حکم دینا تھا کہ اپنی طرف سے انہیں ذبح کرنے کے سارے سامان کر کے ان کو ذبح کرنے کا اقدام کر گذرو۔ اب یہ حکم اگر زبانی دیا جاتا تو اس میں آزمائش نہ ہوتی، اس لیے انہیں خواب میں دکھلایا کہ وہ بیٹے کو ذبح کر

[12]۔ اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن، 1، ص: 606،607

[13]۔ الصافات 37:102 تا 107

رہے ہیں، اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھے کہ ذبح کا حکم ہوا ہے، اور وہ پوری طرح ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے ،اس طرح آزمائش بھی پوری ہو گئی، اور خواب بھی سچا ہو گیا، یہ بات زبانی حکم کے ذریعے آتی تو یہ آزمائش نہ ہوتی، یا حکم کو بعد میں منسوخ کرنا پڑتا۔ یہ امتحان کس قدر سخت تھا اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے " فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ " کے الفاظ بڑھائے ہیں، یعنی ارمانوں سے مانگے ہوئے اس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا تھا جب یہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا، اور پرورش کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد اب وقت آیا تھا کہ قوت بازو بن کر باپ کا سہارا ثابت ہو"۔[14]

" فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس لیے نہیں پوچھی کہ آپ کو حکم الٰہی کی تعمیل میں تردد تھا، بلکہ ایک تو وہ اپنے بیٹے کا امتحان لینا چاہتے تھے کہ وہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اترتا ہے؟ دوسرے انبیاء کا ہمیشہ طرز عمل یہی رہا ہے کہ وہ احکام الٰہی کی اطاعت کے لیے تو ہر وقت تیار رہتے ہیں لیکن اطاعت کے لیے ہمیشہ راستہ وہ اختیار کرتے ہیں جو حکمت اور حتی المقدور سہولت پر مبنی ہو۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے سے کچھ کہے بغیر بیٹے کو ذبح کرنے لگتے تو یہ دونوں کے لیے مشکل کا سبب ہوتا، اب یہ بات آپ نے مشورہ کے انداز میں بیٹے سے اس لیے ذکر کی کہ بیٹے کو پہلے سے اللہ کا یہ حکم معلوم ہو جائے گا تو وہ ذبح ہونے کی اذیت سہنے کے لیے پہلے سے تیار ہو سکے گا۔ نیز بیٹے کے دل میں اگر کچھ تذبذب ہوا بھی تو اسے سمجھایا جا سکے گا۔

" افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي "اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بے مثال جذبہ جان سپاری کی تو شہادت ملتی ہی ہے، اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کم سنی میں ہی اللہ نے انہیں کیسی ذہانت اور کیسا علم عطا فرمایا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا، بلکہ محض ایک خواب کا تذکرہ فرمایا تھا، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے ،اور یہ خواب بھی درحقیقت حکم الٰہی ہی کی ایک شکل ہے، چنانچہ انہوں نے جواب میں خواب کے بجائے حکم الٰہی کا تذکرہ فرمایا"۔[15]

" سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ "اس جملے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی غایت ادب اور غایت تواضع کو دیکھئے۔ ایک تو ان شاءاللہ کہہ کر معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا اور اس وعدے میں دعوے کی جو بظاہر صورت پیدا ہو سکتی تھی اسے ختم فرما دیا۔ دوسرے آپ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ آپ ان شاءاللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے لیکن اس کے بجائے آپ نے فرمایا کہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ،جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ صبر وضبط تنہا میرا کمال نہیں ہے بلکہ دنیا میں اور بھی بہت سے صبر کرنے والے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ میں بھی ان میں شامل ہو جاوں گا۔ اس طرح آپ نے اس جملے میں فخر، تکبر اور خود پسندی اور پندار کے ہر ادنیٰ شائبے کو ختم کر کے اس میں انتہادرجے کی تواضع وانکسار کا اظہار فرما دیا۔

"فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ "(اسلم) کے معنی ہیں جھک جانا، مطیع ہو جانا، رام ہو جانا۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے ،یعنی باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کا اور بیٹے نے ذبح ہو جانے کا ارادہ کر لیا، یہاں (لما) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، لیکن اس کا جواب مذکور نہیں ہے، یعنی

---

[14]۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج7، ص:458

[15]۔ ایضا، ج7، ص:459

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

آگے یہ نہیں بتایا گیا کہ جب یہ واقعات پیش آچکے تو کیا ہوا؟ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باپ بیٹے کا یہ اقدام فداکاری اس قدر عجیب وغریب تھا کہ الفاظ اس کی پوری کیفیت کو بیان کر ہی نہیں سکتے"۔[16]

"وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا یہ مطلب منقول ہے کہ انہیں اس طرح کروٹ پر لٹا دیا کہ پیشانی کا ایک کنارہ زمین سے چھونے لگا، لغت کے اعتبار سے بھی یہ تفسیر راجح ہے۔اس لیے کہ جبین عربی میں پیشانی کی دونوں کروٹوں کو کہتے ہیں، اور پیشانی کا درمیانی حصہ جبہۃ کہلاتا ہے، اسی لیے حضرت تھانویؒ نے اس کا ترجمہ کروٹ پر لٹانے سے کیا ہے، لیکن بعض دوسرے مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اوندھے منہ زمین پر لٹا دیا۔

" وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ "(اور ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا)یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں جو کام تمہارے کرنے کا تھا اس میں تم نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اب یہ آزمائش پوری ہو چکی اس لیے اب انہیں چھوڑ دو۔

"إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ "(ہم مخلصوں کو ایسے ہی صلہ دیا کرتے ہیں)یعنی جب کوئی اللہ کا بندہ اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر لیتا ہے اور اپنے تمام جذبات قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، تو ہم بالآخر اسے دنیوی تکلیف سے بھی بچا لیتے ہیں، اور آخرت کا اجر وثواب بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔

" وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ "(اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ ان کے عوض میں دیا)روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ آسمانی آواز سن کر اوپر کی طرف دیکھا تو حضرت جبرائیل امین ایک مینڈھا لیے کھڑے تھے۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے ہابیل نے پیش کی تھی۔ بہر حال یہ جنتی مینڈھا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا، اور انہوں نے اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کی بجائے اسے قربان کیا۔اس ذبیحہ کو عظیم اس لیے کہا گیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا تھا اور اس کی قربانی کے مقبول ہونے میں کسی کو کوئی شک نہیں ہو سکتا"۔[17]

علامہ مودودیؒ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ انہوں نے بیٹے کو ذبح کر دیا ہے، بلکہ یہ دیکھا تھا کہ وہ اسے ذبح کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس وقت وہ خواب کا مطلب یہی سمجھے تھے کہ وہ صاحبزادے کو ذبح کر دیں۔اسی لیے وہ ٹھنڈے دل سے بیٹا قربان کر دینے کے لیے بالکل تیار ہو گئے تھے۔ مگر خواب دکھانے میں جو باریک نکتہ اللہ تعالیٰ نے ملحوظ رکھا تھا اسے اگلی آیات میں کھول دیا"۔اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:"صاحبزادے سے یہ بات پوچھنے کا مدعا یہ نہ تھا کہ تو راضی ہو تو خدا کے فرمان کی تعمیل کروں ورنہ نہ کروں۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دراصل یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ جس صالح اولاد کی انہوں نے دعا مانگی تھی، وہ فی الواقع کس قدر صالح ہے؟ اگر وہ خود بھی اللہ کی خوشنودی پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دعا مکمل طور پر قبول ہوئی ہے اور بیٹا محض جسمانی حیثیت ہی سے ان کی اولاد نہیں ہے بلکہ اخلاقی وروحانی حیثیت سے بھی ان کا سپوت ہے"۔اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:"یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ پیغمبر باپ کے خواب کو بیٹے نے محض خواب نہیں بلکہ خدا کا حکم سمجھا تھا۔اب اگر یہ فی الواقع حکم نہ ہوتا تو ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ صراحتاً یا

---

[16]، ایضا، ج7، ص:460

[17]۔ ایضا، ج7، ص:461

اشارتاً اس امر کی تصریح فرمادیتے کہ فرزند ابراہیم علیہ السلام نے غلط فہمی سے اس کو حکم سمجھ لیا۔ لیکن پوراسیاق وسباق ایسے کسی اشارے سے خالی ہے،اسی بناپر اسلام میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ انبیاء کا خواب محض خواب نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی وحی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ظاہر ہے جس بات سے ایک اتنابڑا قاعدہ خدا کی شریعت میں شامل ہو سکتا ہو،وہ اگر مبنی بر حقیقت نہ ہوتی بلکہ محض ایک غلط فہمی ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی تردید نہ فرماتا۔ قرآن کو کلام الٰہی ماننے والے کے لیے یہ تسلیم کرنا محال ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ایسی بھول چوک بھی صادر ہو سکتی ہے"۔

اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کے لیے بیٹے کو چت نہیں لٹایا بلکہ اوندھے منہ لٹایا تاکہ ذبح کرتے وقت بیٹے کا چہرہ دیکھ کر کہیں محبت وشفقت ہاتھ میں لرزش پیدانہ کردے۔اس لیے وہ چاہتے تھے کہ نیچے کی طرف سے ہاتھ ڈال کر چھری چلائیں"۔اس سے اگلی آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں:"کہ ہم نے تمہیں یہ تو نہیں دکھایا تھا کہ تم نے بیٹے کو ذبح کر دیا،اور اس کی جان نکل گئی ہے،بلکہ یہ دکھایا تھا کہ تم ذبح کر رہے ہو۔تو وہ خواب تم نے پورا کر دکھایا۔اب ہمیں تمہارے بچے کی جان لینی مطلوب نہیں ہے۔اصل مدعا جو کچھ تھا وہ تمہاری اس آمادگی اور تیاری سے حاصل ہو گیا ہے"۔اگلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:"یعنی جو لوگ احسان کی روش اختیار کرتے ہیں ان کے اوپر آزمائشیں ہم اس لیے نہیں ڈالا کرتے کہ انہیں خواہ مخواہ تکلیفوں میں ڈالیں اور رنج و غم میں مبتلا کریں۔بلکہ یہ آزمائشیں ان کی فضیلتوں کو ابھارنے کے لیے اور انہیں بڑے مرتبے عطا کرنے کے لیے ان پر ڈالی جاتی ہیں اور پھر آزمائش کی خاطر جس مخمصے میں ہم انہیں ڈالتے ہیں اس سے بخیریت ان کو نکلوا بھی دیتے ہیں"۔[18]

خلاصہ بحث

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ابراہیم علیہ السلام کے مابین مکالمہ جات سے ایک تو بیت اللہ،کعبہ کی تاریخ اور حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں اس کی تعمیر جدید کا پتا چلا،اس کے ساتھ ساتھ بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کی چند خصوصیات اور بیت اللہ کے احترام سے متعلقہ احکام کا علم ہوا۔دوسرے مکالمہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ شانہ سے جو یہ درخواست کی کہ مجھے اس کا مشاہدہ کرا دیجیے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے ؟ یہ اس لیے کی گئی کہ احیا موتیٰ کی مختلف صورتوں اور کیفیتوں میں ذہنی انتشار واقع نہ ہو اور قلب کو سکون واطمینان حاصل ہو جائے۔تیسرا مکالمہ جو حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کا کے حکم سے متعلق ہے،یہ حکم براہ راست کسی فرشتے وغیرہ کے ذریعہ بھی نازل کیا جاسکتا تھا،لیکن خواب میں دکھانے کی حکمت بظاہر یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری اپنے کمال کے ساتھ ظاہر ہو،خواب کے ذریعے دیئے ہوئے حکم میں انسانی نفس کے لیے تاویلات کی بڑی گنجائش تھی،لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاویلات کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔جس سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس کے راستے میں قربان کرنے کے لیے ذرہ برابر بھی تامل نہیں کرنا چاہیے۔

سفارشات

---

[18]۔ مودودی،ابوالاعلیٰ،مولانا،تفہیم القرآن،ج4،ص:296

1۔اس تحقیق میں اللہ تعالیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مابین ہونے والے مکالمہ جات کو زیر بحث لایا گیا ہے،ان کے علاوہ بھی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اور دیگر انبیاء کے درمیان مکالمہ جات موجود ہیں، جن سے بہت سے اسباق اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

2۔اگر قرآن کریم میں مذکور آیات مکالمہ کو جمع کیا جائے،تو یہ ایم فل سطح پر کام کے لیے موضوع تحقیق بن سکتا ہے۔

3۔ان تمام آیات مکالمہ کی تعبیر و تشریح میں مفسرین نے کیا منہج اختیار کیا ہے،اس انداز میں بھی کام کیا جاسکتا ہے۔

4۔عصر حاضر کے مفسرین کو ان آیات مکالمہ سے اخذ شدہ اسباق کو اجاگر کرنا چاہیے۔